بِسۡمِ اللّٰہِ

ISSN 2754 267X

انٹرنیشنل

مارچ ۲۰۲۲ء

رجب المرجب / شعبان۔ ۱۴۴۳ھ

عالمگیر مرکز احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور، ختم نبوت کی داعی واحد جماعت کا ترجمان

حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) آخری نبی ہیں اور اُن کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پُرانا

حضرت مرزا غلام احمدؒ مدّعی نبوت نہیں مجدّد صدچہاردہم تھے، جس کی پیشگوئی نبی کریمؐ نے مسیح و مہدی کے القاب سے کی تھی۔

مدیر

شاہد عزیز

فہرست مضامین

۱: کلامِ امام۔ تیسرا دقیقہء معرفت------ (اسلامی اصول کی فلاسفی قسط۔۲۸)	۲
۲: خطبہ مولانا محمد علیؒ۔ فرقہ بندی اور جماعت احمدیہ	۴
۳: کلام علوی انتخاب۔	۷

دُعا کی درخواست

عبدل جلیل صاحب سالہاسال سے بغیر کسی معاوضہ اٹلی میں تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔ اُنہوں نے بہت سال پہلے جماعت کی بیعت کی تھی اور حال ہی میں وہ لائٹ کے بورڈ آف ایڈیٹرز کے ممبر نامزد ہوئے۔ حال ہی میں اُن کا برین آپریشن ہوا اور اب کیمو تھیرپی جاری ہے۔ جس کہ اثرات سے وہ بہت کمزور ہوگئے ہیں۔ رمضان میں خاص طور پر دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں صحت کاملہ عطا فرمائے۔ آئیں ہم اُن کی زندگی سے یہ سبق لیں کہ عہدوں کا انتظار کئے بغیر ہر لحمہ جماعت کی خدمت کریں

نشریات

برطانوی ٹائم

Radio Virtual Mosque on:

http://mixlr.com/radio-virtual-mosque

YouTube:

https://www.youtube.com/c/WorldwideAhmadiyyaAnjumansLahore

https://www.podbean.com/user-Lx6kp2cJrcwN

پروگرام واوقات

پیر سے جمعرات نشریات

۱۹۰۰-تدبر القرآن اردو

۱۹۴۰-Reflections on the Holy Quran انگریزی

جمعہ-انگریزی ۱۳:۰۰

ہفتہ - اردو ۱۳:۰۰ Pure Discussions WhatsApp Group

عیدین-انگریزی ۱۱:۰۰

عالمگیر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

www.virtualmosque.co.uk

ای میل: editor.thelight@LACommunity.uk

کلام امام

از حضرت مرزا غلام احمدؑ

(قسط-۲۷ صفحہ ۱۱۸ تا ۱۳۰)

مرتب ارشد علوی

حضرت مسیح موعودؑ اسلامی اصول کی فلاسفی میں فرماتے ہیں۔

تیسرا دقیقہء معرفت

تیسرا دقیقہء معرفت کا یہ ہے کہ عالمِ معاد میں ترقّیات غیر متناہی ہوں گی

اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے----- وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (التحریم:۸) یعنی جو لوگ دُنیا میں ایمان کا نُور رکھتے ہیں اُن کا نُور قیامت کو اُن کے آگے اور اُن کے داہنی طرف دوڑتا ہو گا۔ وہ ہمیشہ یہی کہتے رہیں گے کہ اے خدا ہمارے نُور کو کمال تک پہنچا اور اپنی مغفرت کے اندر ہمیں لے لے۔ تُو ہر چیز پر قادر ہے۔

ترقّیات غیر متناہی ہوں گی

بہشت میں مغفرت مانگنے کی حقیقت۔ اس آیت میں یہ جو فرمایا کہ وہ ہمیشہ یہی کہتے رہیں گے کہ ہمارے نُور کو کمال تک پہنچا۔ یہ ترقیات غیر متناہیہ کی طرف اِشارہ ہے یعنی ایک کمال نورانیت کا انہیں حاصل ہو گا۔ پھر دوسرا کمال نظر آئے گا۔ اس کو دیکھ کر پہلے کمال کو ناقص پائیں گے۔ پس کمال ثانی کے حصول کے لئے التجا کریں گے اور جب وہ حاصل ہو گا تو ایک تیسرا مرتبہ کمال کا ان پر ظاہر ہو گا پھر اس کو دیکھ کر پہلے کمالات کو ہیچ سمجھیں گے۔ اور اس کی خواہش کریں گے۔ یہی ترقیات کی خواہش ہے جو اَتْمِمْ کے لفظ سے سمجھی جاتی ہے۔

غرض اسی طرح غیر متناہی سلسلہ ترقیات کا چلا جائے گا۔ تنزّل کبھی نہیں ہو گا اور نہ کبھی بہشت سے نکالے جائیں گے۔ بلکہ ہر روز آگے بڑھیں گے۔ نہ پیچھے کو اور یہ جو فرمایا۔ کہ وہ ہمیشہ اپنی مغفرت چاہیں گے۔ اس جگہ سوال یہ ہے۔ کہ جب بہشت میں داخل ہو گئے۔ تو پھر مغفرت میں کیا کسر رہ گئی۔ اور جب گناہ بخشے گئے تو پھر استغفار کی کون سی حاجت رہی اس کا جواب یہ ہے کہ مغفرت کے اصل معنے یہ ہیں۔ ناملائم اور ناقص حالت کو نیچے دبانا۔ اور ڈھانکنا۔ سو بہشتی اس بات کی خواہش کریں گے کہ کمالِ تام حاصل کریں ۔اور سراسر نور میں غرق ہو جائیں۔ وہ دُوسری حالت کو دیکھ کر پہلی حالت کو

حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ
اور
عالمگیر جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد

۱. اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان

۲. آنحضرت ﷺ خاتم النبین ہیں۔ بالفاظ بانی سلسلہ احمدیہ:۔
اُس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی ﷺ کے بعد کوئی نہیں آئے گا نیا ہو یا پُرانا"، "جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں"۔ "میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو گئی۔"

۳. قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب ہے جس کا کوئی حکم منسوخ نہیں، نہ قیامت تک منسوخ ہو گا۔

۴. بمُطابق فرمانِ نبوی حضرت محمدؐ کے بعد مجدّدین آئیں گے۔ اِس اُمّت میں ایسے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ اُن سے کلام کرے گا۔ رجال یکلمون من غیر ان یکونو انبیاء

۵. ہم تمام صحابہ کرامؓ اور تمام آئمہ دین کی عزت کرتے ہیں خواہ وہ اہلِ سنت کے مسلمہ بزرگ ہوں یا اہلِ تشیع کے اور کسی صحابی یا امام، محدث یا مجدّد کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۶. ہر ایک شخص جو لَآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار کرتا ہے اصولاً مسلمان ہے، خواہ اُس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو۔

۷. حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا دعویٰ مجدّد، مسیح موعود اور مہدی ہونے کا تھا۔ نبی ہونے کا ہرگز نہیں۔ اُن کے اپنے الفاظ میں: "اور اِن لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔"

ہمیں کسی دُنیاوی پارلیمنٹ سے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہم مسلمان ہوں یہ کافی ہے۔

ناقص پائیں گے۔ پس چاہیں گے کہ پہلی حالت نیچے دبائی جائے۔ پھر تیسرے کمال کو دیکھ کر یہ آرزو کریں گے کہ دوسرے کمال کی نسبت مغفرت ہو۔ یعنی وہ حالت ناقصہ نیچے دبائی جاوے اور مخفی کی جاوے۔ اسی طرح غیر متناہی مغفرت کے خواہشمند رہیں گے۔ یہ وہی لفظ مغفرت اور استغفار کا ہے۔ جو بعض نادان بطور اعتراض ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی نسبت پیش کیا کرتے ہیں۔ سو ناظرین نے اس جگہ سے سمجھ لیا ہو گا کہ یہی خواہش استغفار فخر انسان ہے۔ جو شخص کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا اور پھر ہمیشہ کے لئے استغفار اپنی عادت نہیں پکڑتا وہ کیڑا ہے نہ انسان، اور اندھا ہے نہ سُوجاکھا، اور ناپاک ہے نہ طیّب۔

بہشت و دوزخ اِنسان کی زندگی کے اظلال ہیں

اب خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ قرآن شریف کی رُو سے دوزخ اور بہشت دونوں اصل میں انسان کی زندگی کے اظلال اور آثار ہیں۔ کوئی ایسی نئی جسمانی چیز نہیں ہے کہ جو دوسری جگہ سے آوے۔ یہ سچ ہے کہ وہ دونوں جسمانی طور سے متمثّل ہوں گے ۔ مگر وہ اصل رُوحانی حالتوں کے اظلال و آثار ہوں گے۔ ہم لوگ ایسی بہشت کے قائل نہیں۔ کہ صرف جسمانی طور پر ایک زمین پر درخت لگائے گئے ہوں اور نہ ایسی دوزخ کے ہم قائل ہیں جس میں درحقیقت گندھک کے پتھر ہیں۔ بلکہ اسلامی عقیدہ کے موافق بہشت دوزخ انہی اعمال کے انعکاسات ہیں جو دُنیا میں انسان کرتا ہے۔

تیسرا سوال:۔

دُنیا میں زندگی کے مُدّعا کیا ہیں، اور اُن کا حصول کس طرح ہوتا ہے!اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ مختلف الطبائع انسان اپنی کوتاہ فہمی یا پست ہمتی سے مختلف طور کے مُدّعا اپنی زندگی کیلئے ٹھہراتے ہیں۔ اور فقط دُنیا کے مقاصد اور آرزوؤں تک چل کر آگے ٹھہر جاتے ہیں۔ مگر وہ مُدّعا جو خدا تعالیٰ اپنے پاک کلام میں بیان فرماتا ہے یہ ہے۔ وہ فرماتا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۔(الذریات:۵۶) یعنی مَیں نے جنّ اور انسان کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے پہچانیں اور میری پرستش کریں۔ پس اس آیت کی رُو سے اصل مُدّعا انسان کی زندگی کا خُدا تعالیٰ کی پرستش اور خُدا کی معرفت اور خُدا تعالیٰ کے لئے ہو جانا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے کہ اپنی زندگی کا مُدّعا اپنے اختیار سے آپ مقرر کرے کیونکہ انسان نہ اپنی مرضی سے آتا ہے۔ اور نہ اپنی مرضی سے واپس جائے گا۔ بلکہ وہ ایک مخلوق ہے اور جس نے اُسے پیدا کیا۔ اور تمام حیوانات کی نسبت عمدہ اور اعلیٰ قویٰ اس کو عنایت کئے۔

اِنسان کی زندگی کا مُدّعا عبادتِ الٰہی

اسی نے اس کی زندگی کا ایک مُدّعا ٹھہرا رکھا ہے خواہ کوئی انسان اس مُدّعا کو سمجھے یا نہ سمجھے مگر انسان کی پیدائش کا مُدّعا بلاشبہ خُدا کی پرستش اور خُدا تعالیٰ کی معرفت اور خُدا تعالیٰ میں فانی ہو جانا ہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۔ (آل عمران:۱۹) ----- ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ (الروم:۳۰) ----- فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۙ(الروم:۳۰) یعنی وہ دین جس میں خُدا کی معرفت صحیح اور اس کی پرستش احسن طور پر ہے۔ وہ اِسلام ہے

اِسلام اِنسان کی فطرت میں ودیعت ہے

اور اِسلام انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے اور خُدا نے انسان کو اِسلام پر پیدا کیا اور اِسلام کے لئے پیدا کیا ہے۔ یعنی یہ چاہا کہ اِنسان اپنے تمام قویٰ کے ساتھ اس کی پرستش اور اطاعت اور محبت میں لگ جائے۔ اِسی وجہ سے اس قادر کریم نے انسان کو تمام قویٰ اِسلام کے مناسب حال عطا کئے ہیں۔

ان آیتوں کی تفصیل بہت بڑی ہے اور ہم کسی قدر پہلے سوال کے تیسرے حصہ میں لکھ بھی چکے ہیں۔ لیکن اب ہم مختصر طور پر صرف یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ انسان کو جو کچھ اندرونی اور بیرونی اعضاء دیئے گئے ہیں۔ یا جو کچھ قوتیں عنایت ہوئی ہیں۔ اصل مقصود ان سے خُدا کی معرفت اور خُدا کی پرستش اور خدُا تعالیٰ کی محبت ہے۔ اسی وجہ سے انسان دنیا میں ہزاروں شغلوں کو اختیار کرکے پھر بھی بجز خُدا کے اپنی سچی خوشحالی کسی میں نہیں پاتا۔ بڑا دولتمند ہو کر، بڑا عہدہ پاکر، بڑا تاجر بن کر، بڑی بادشاہی تک پہنچ کر، بڑا فلاسفر کہلا کر آخر ان دنیوی گرفتاریوں سے بڑی حسرتوں کے ساتھ جاتا ہے اور ہمیشہ دِل اُس کا دُنیا کے استغراق سے اس کو ملزم کرتا رہتا ہے اور اس کے مکروں اور فریبوں اور ناجائز کاموں میں کبھی اس کا کانشنس اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ ایک دانا انسان اس مسئلہ کو اس طرح بھی سمجھ سکتا ہے کہ جس چیز کے قویٰ ایک اعلیٰ سے اعلیٰ کام کر سکتے ہیں اور پھر آگے جاکر ٹھہر جاتے ہیں۔ وہی اعلیٰ کام اس کی پیدائش کی علّت غائی سمجھی جاتی ہے۔ مثلاً بَیل کا کام اعلیٰ سے اعلیٰ قلبہ رانی یا آبپاشی یا بار برداری ہے۔ اس سے زیادہ اس کی قوتوں میں کچھ ثابت نہیں ہوا۔ سو بَیل کی زندگی کا مدعا یہی تین چیزیں ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی قوت اس میں نہیں پائی جاتی۔ مگر جب ہم انسان کی قوتوں کو ٹٹولتے ہیں کہ اُن میں اعلیٰ سے اعلیٰ کونسی قوت ہے۔ تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ خدائے اعلیٰ برتر کی اس میں تلاش پائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ چاہتا ہے کہ خُدا کی محبت میں ایسا گداز اور محو ہو کہ اس کا اپنا کچھ بھی نہ رہے۔ سب خُدا کا ہو جائے۔ وہ کھانے اور سونے وغیرہ طبعی امور میں دوسرے حیوانات کو اپنا شریک غالب رکھتا ہے۔ صنعت کاری میں بعض حیوانات اس سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ بلکہ شہد کی مکھیاں بھی ہر ایک پھول کا عطر نکال کر ایسا شہد نفیس پیدا کرتی ہیں کہ اب تک اس صنعت میں انسان کو کامیابی نہیں ہوئی۔

خُدا تک پہنچنے کے وسائل

پس ظاہر ہے کہ انسان کا اعلیٰ کمال خُدا تعالیٰ کا وصال ہے۔ لہٰذا اس کی زندگی کا اصل مدعا یہی ہے کہ خُدا تعالیٰ کی طرف اس کے دِل کی کھڑکی

کھلے۔ہاں اگر یہ سوال ہو کہ یہ مدعا کیونکر اور کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ اور کن وسائل سے انسان اس کو پا سکتا ہے۔پس واضح ہو کہ

پہلا وسیلہ خُدائے واحد پر ایمان ہے

سب سے پہلا وسیلہ جو اس مُدّعا کے پانے کے لئے شرط ہے، وہ یہ ہے کہ خُدا تعالیٰ کو صحیح طور پر پہچانا جائے۔ اور سچے خُدا پر ایمان لایا جائے۔ کیونکہ اگر پہلا قدم ہی غلط ہے اور کوئی شخص مثلاً پرند اور چرند یا عناصر یا انسان کے بچہ کو خُدا سمجھ بیٹھا ہے تو پھر دُوسرے قدموں میں اس کے راہ راست پر چلنے کی کیا امید ہے۔ سچا خُدا اس کے ڈھونڈنے والوں کو مدد دیتا ہے مگر مُردہ مُردہ کو کیونکر مدد دے سکتا ہے۔ اس میں اللہ جلّ شانہٗ نے خوب تمثیل فرمائی ہے۔اور وہ یہ ہے۔لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ(الرعد:۱۴) یعنی دُعا کرنے کے لائق وہی سچا خُدا ہے جو ہر ایک بات پر قادر ہے اور جو لوگ اس کے سوا اوروں کو پکارتے ہیں وہ کچھ بھی ان کو جواب نہیں دے سکتے اُن کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کہ کوئی پانی کی طرف ہاتھ پھیلاوے کہ اے پانی میرے مُنہ میں آجا تو کیا وہ اس کے مُنہ میں آجاوے گا ہر گز نہیں۔ سو جو لوگ سچے خُدا سے بے خبر ہیں ان کی تمام دُعائیں باطل ہیں۔

دُوسرا وسیلہ خُدا کے حُسن وجمال پر ایمان

دُوسرا وسیلہ خُدا تعالیٰ کے اس حُسن و جمال پر اطلاع پانا ہے جو باعتبار کمال تام کے اس میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ حُسن ایک ایسی چیز ہے۔ جو بالطبع دِل اس کی طرف کھینچا جاتا ہے اور اس کے مشاہدہ سے طبعاً محبت پیدا ہوتی ہے تو حُسنِ ذاتِ باری تعالیٰ اُس کی وحدانیت اور اُس کی عظمت اور بزرگی اور صفات ہیں جیسا کہ قرآن شریف نے یہ فرمایا ہے۔قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (الاخلاص:۱تا۴) یعنی خُدا اپنی ذات اور صفات اور جلال میں ایک ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ سب اُس کے حاجت مند ہیں۔ ذرّہ ذرّہ اُس سے زندگی پاتا ہے۔ اور وہ کُل چیزوں کے لئے مُبداء فیض ہے۔ اور آپ کسی سے فیضیاب نہیں۔ وہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کسی کا باپ اور کیونکر ہو کہ اس کا کوئی ہم ذات نہیں۔ قرآن نے بار بار خُدا کا کمال پیش کر کے اور اس کی عظمتیں دکھلا کے لوگوں کو توجہ دلائی ہے کہ دیکھو ایسا خُدا دِلوں کا مرغوب ہے نہ کہ مُردہ اور کم رحم اور کم قدرت۔

تیسرا وسیلہ خُدا کے احسان جاننا

تیسرا وسیلہ جو مقصود حقیقی تک پہنچنے کیلئے دُوسرے درجہ کا زینہ ہے۔ خُدا تعالیٰ کے احسان پر اطلاع پانا ہے۔ کیونکہ محبت کی محرّک دو ہی چیزیں ہیں حُسن یا احسان اور خُدا تعالیٰ کی احسانی صفات کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ (الفاتحہ:۲تا۴) کیونکہ ظاہر ہے کہ احسان کامل اس میں ہے۔ کہ خُدا تعالیٰ اپنے بندوں کو محض نابود سے پیدا کرے۔ اور پھر ہمیشہ اس کی ربوبیت ان کے شامل حال ہو۔ اور وہی ہر ایک چیز کا آپ سہارا ہو۔ اور پھر اس کی تمام قسم کی رحمتیں اس کے بندوں کے لئے ظہور میں آئی ہوں اور اس کا احسان بے انتہا ہو جس کا کوئی شمار نہ کر سکے سو ایسے احسانوں کو خُدا تعالیٰ نے بار بار جتلایا ہے۔ جیسا کہ ایک اور جگہ فرماتا ہے۔۔وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۔۔(ابراہیم:۳۴) یعنی اگر خُدا تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہر گز گن نہ سکو گے۔

> جب باخُدا آدمی پر بلائیں نازل ہوتی ہیں تو وہ اپنے ربِّ کریم سے جھگڑا شروع نہیں کرتا کہ مجھے ان بلاؤں سے بچا۔ بلکہ اپنے مولیٰ کی مرضی کا بکلّی تابع ہو جاتا ہے۔ اور اُس کی رضا چاہتا ہے۔

چوتھا وسیلہ دُعا ہے

چوتھا وسیلہ خُدا تعالیٰ نے اصل مقصود کو پانے کے لئے دُعا کو ٹھہرایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔۔اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ (المؤمن:۶۰) یعنی تم دُعا کرو میں قبول کروں گا۔ اور بار بار دُعا کے لئے رغبت دلائی ہے تا انسان اپنی طاقت سے نہیں بلکہ خُدا کی طاقت سے پاوے۔

پانچواں وسیلہ مُجاہدہ

پانچواں وسیلہ اصل مقصود کے پانے کے لئے خُدا تعالیٰ نے مجاہدہ ٹھہرایا ہے۔ یعنی اپنا مال خُدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی طاقتوں کو خُدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی جان کو خُدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی عقل کو خُدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اُس کو ڈھونڈا جائے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔۔جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ۔ (التوبۃ:۴۰)۔۔ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (البقرۃ:۳)۔وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۔۔(العنکبوت:۶۹) یعنی اپنے مالوں اور اپنی جانوں اور اپنے نفسوں کو مع ان کی تمام طاقتوں کے خُدا کی راہ میں خرچ کرو۔ اور جو کچھ ہم نے عقل اور علم اور فہم اور ہنر وغیرہ تم کو دیا ہے۔ وہ سب کچھ خدا کی راہ میں لگاؤ۔ جو لوگ ہماری راہ میں (ہر ایک طور سے) کوشش بجالاتے ہیں ہم اُن کو اپنی راہیں دکھا دیا کرتے ہیں۔

چھٹا وسیلہ استقامت

چھٹا وسیلہ اصل مقصود کے پانے کے لئے اِستقامت کو بیان فرمایا ہے یعنی اس راہ میں درماندہ اور عاجز نہ ہو۔ اور تھک نہ جائے اور امتحانوں سے ڈر نہ جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ

اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۔ ۳۰نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۔۔۔(حم السجدۃ:۳۱،۳۰)یعنی وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا ربّ اللہ ہے اور باطل خداؤں سے الگ ہو گئے پھر استقامت اختیار کی یعنی طرح طرح کی آزمائشوں اور بلا کے وقت ثابت قدم رہے۔ ان پر فرشتے اُترتے ہیں کہ تم مت ڈرو اور مت غمگین ہو، اور خوش ہو،اور خوشی میں بھر جاؤ کہ تم اس خوشی کے وارث ہو گئے جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔ ہم اس دُنیوی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے دوست ہیں۔ اس جگہ ان کلمات سے یہ اشارہ فرمادیا کہ استقامت سے خُدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ یہ سچ بات ہے کہ استقامت فوق الکرامت ہے۔ **کمالِ استقامت یہ ہے کہ چاروں طرف بلاؤں کو محیط دیکھیں اور خدا کی راہ میں جان اور عزت اور آبرو کو معرضِ خطر میں پاویں اور کوئی تسلی دینے والی بات موجود نہ ہو یہاں تک کہ خُدا تعالیٰ بھی امتحان کے طور پر تسلی دینے والے کشف یا خواب یا الہام کو بند کردے اور ہولناک خوفوں میں چھوڑ دے۔ اُس وقت نامردی نہ دکھلاویں اور بزدلوں کی طرح پیچھے نہ ہٹیں۔ اور وفاداری کی صفت میں کوئی خلل پیدا نہ کریں۔ صدق اور ثبات میں کوئی رخنہ نہ ڈالیں۔ ذلت پر خوش ہو جائیں۔ موت پر راضی ہو جائیں اور ثابت قدمی کیلئے کسی دُوسرے دوست کا انتظار نہ کریں کہ وہ سہارا دے۔ نہ اس وقت خُدا کی بشارتوں کے طالب ہوں۔ کہ وقت نازک ہے اور باوجود سراسر بے کس اور کمزور ہونے کے اور کسی تسلی کے نہ پانے کے سیدھے کھڑے ہو جائیں۔ اور ہر چہ باد اباد کہہ کر گردن کو آگے رکھ دیں۔ اور قضاء وقدر کے آگے دم نہ ماریں۔ اور ہرگز بے قراری اور جزع فزع نہ دکھلاویں جب تک کہ آزمائش کا حق پورا ہو جائے۔ یہی اِستقامت ہے جس سے خُدا ملتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی رسولوں اور نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کی خاک سے اب تک خوشبو آرہی ہے۔** اسی کی طرف اللہ جلّ شانہ‘ اس دُعا میں اشارہ فرماتا ہے۔۔۔اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔۔ (الفاتحۃ:۷،۶) یعنی اے ہمارے خُدا! ہمیں اِستقامت کی راہ دکھلا۔ وُہی راہ جس پر تیرا انعام واکرام مُترتّب ہوتا ہے اور تُو راضی ہو جاتا ہے۔ اور اسی کی طرف اس دوسری آیت میں اشارہ فرمایا۔۔۔رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۔ (الاعراف:۱۲۶) اے خُدا اس مصیبت میں ہمارے دِل پر وہ سکینت نازل کر جس سے صبر آجائے۔ اور ایسا کر کہ ہماری موت اِسلام پر ہو۔ جاننا چاہیے کہ دُکھوں اور مصیبتوں کے وقت میں خُدا تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کے دِل پر ایک نور اتارتا ہے۔ جس سے وہ قوت پاکر نہایت اطمینان سے مصیبت کا مقابلہ کرتے ہیں اور حلاوتِ ایمانی سے اُن زنجیروں کو بوسہ دیتے ہیں جو اُس کی راہ میں ان کے پیروں میں پڑیں اسی کے حق میں اللہ جلّ شانہ‘ فرماتا ہے۔وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۔ (البقرۃ:۲۰۷)یعنی خُدا کا پیارا بندہ اپنی جان خُدا کی راہ میں دیتا ہے اور اس کے عوض میں خُدا کی مرضی خرید لیتا ہے۔ وہی لوگ ہیں جو خُدا تعالیٰ کی رحمتِ خاص کے مُورد ہیں۔ غرض وہ اِستقامت جس سے خُدا ملتا ہے اس کی یہی رُوح ہے جو بیان کی گئی، جس کو سمجھنا ہو سمجھ لے۔

ساتواں وسیلہ راستبازوں کی محبت ہے

ساتواں وسیلہ اصل مقصود کے پانے کے لئے راستبازوں کی صحبت اوران کے کامل نمونوں کو دیکھنا ہے۔ پس جاننا چاہیے کہ انبیاء کی ضرورتوں میں سے ایک یہ بھی ضرورت ہے کہ انسان طبعاً کامل نمونہ کا محتاج ہے اور کامل نمونہ شوق کو زیادہ کرتا ہے اور ہمت کو بڑھاتا ہے اور جو نمونہ کا پیرو نہیں وہ سُست ہو جاتا ہے۔ اور بہک جاتا ہے۔ اسی کی طرف اللہ جلّ شانہ‘ اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے۔۔كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۔۔(التوبۃ: ۱۱۸) صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔۔(الفاتحۃ:۷)یعنی تم ان لوگوں کی صحبت اختیار کرو جو راستباز ہیں۔ ان لوگوں کی راہیں سیکھو جن پر تم سے پہلے فضل ہو چکا ہے۔

آٹھواں وسیلہ کشوف والہام ہے

آٹھواں وسیلہ خُدا تعالیٰ کی طرف سے پاک کشف اور پاک الہام اور پاک خوابیں ہیں۔ چونکہ خُدا تعالیٰ کی طرف سفر کرنا ایک نہایت دقیق در دقیق راہ ہے اور اس کے ساتھ طرح طرح کے مصائب اور دُکھ لگے ہوئے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ انسان اس نادیدہ راہ میں بھول جاوے یا ناامیدی طاری ہو اور آگے قدم بڑھانا چھوڑ دے۔ اِس لئے خُدا تعالیٰ کی رحمت نے چاہا کہ اپنی طرف سے اس سفر میں ساتھ ساتھ اُس کو تسلی دیتی رہے اور اُس کی دلدہی کرتی رہے اور اُس کی کمر ہمت باندھتی رہے اور اُس کے شوق کو زیادہ کرے۔ سو اُس کی سنت اس راہ کے مسافروں کے ساتھ اس طرح پر واقعہ ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے کلام اور الہام سے اُن کو تسلی دیتا اور ان پر ظاہر کرتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تب وہ قوت پاکر بڑے زور سے اس سفر کو طے کرتے ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں وہ فرماتا ہے۔ لَهُمُ الْبُشْرٰي فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۔۔۔۔(یونس:۶۴) اسی طرح اور بھی کئی وسائل ہیں جو قرآن شریف نے بیان فرمائے ہیں مگر افسوس ہم اندیشہ ء طُول کی وجہ سے ان کو بیان نہیں کر سکتے۔۔(جاری ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

(فہرست مضامین)

خطبہ حضرت مولانا محمد علیؒ ۷ شعبان ۱۳۴۶ھ ۸ فروری ۱۹۲۸ء

فرقہ بندی اور جماعت احمدیہ

(ایک خصوصی مضمون)

حضرت مولانا محمد علیؒ

وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا ط كُلُّ حِزْبٍم بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۔(۳۲-۳۱:۳۰)

ترجمہ: ”اور مُشرکوں سے نہ ہو۔ ان میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقے فرقے بن گئے سب گروہ اس پر جو ان کے پاس ہے خوش ہو رہے ہیں۔“

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَ کَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْئٍ ط اِنَّمَآ اَمْرُھُمْ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ یُنَبِّئُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۔(۱۵۹:۶)

ترجمہ:"وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور (کئی) فرقے ہو گئے، تیرا ان سے کچھ سروکار نہیں۔ ان کا معاملہ اللہ کی طرف ہے پھر وہ ان کو بتادے گا ،جو وہ کرتے تھے"۔

آج دُنیا کی ہر ایک قوم فرقہ بندی کے نقصانات کو محسوس کر کے اس حالت سے نکلنے کی کوشش کر رہی ہے۔ عیسائی، جن کے اندر اصولی اختلاف موجود ہے، اور ان کے کوئی سے دو فرقے اپنے مذہب کے اصول پر متحد نہیں، آج یہاں تک اس فرقہ بندی سے تنگ آئے ہیں، کہ عیسائیت سے بیزار کرنے والی وجوہ میں سے یہ ایک بڑی بھاری وجہ ہو گئی ہے۔ اور وہ آئندہ اگر کوئی اور مذہب اختیار کریں گے، تو اس مذہب کو اختیار کریں گے، جو فرقہ بندی سے آزاد ہو۔

ہندو، جن کا نہ سب کا ایک خُدا، نہ سب کا ایک رسول اور نہ سب کی ایک الہامی کتاب ہے، وہ بھی آج فرقہ بندی کی بلا سے آزاد ہونے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ بلکہ فرقہ بندی سے آزاد ہو کر اپنا ایک اتحاد بنا رہے ہیں۔ جن کی بنا پر آپس میں محبت نہیں، بلکہ اسلام اور مسلمانوں کا بغض ہے۔ یہی ان کی سنگٹھن ہے۔ لیکن مسلمان جو سب سے بڑھ کر فرقہ بندی کے نقصان سے تباہ ہوئے ہیں، اور ہو رہے ہیں، ایک یہی قوم ہے، جس کو اب تک یہ احساس نہیں، کہ ان کی فرقہ بندی نے اسلام کو کس قدر کمزور کر دیا ہے! وہ مسلمان ،جن کا خدا ایک ،جن کی کتاب ایک ،جن کا رسولؐ ایک، جن کی نماز ایک، روزے ایک، زکوٰۃ ایک، حج ایک، کلمہ ایک اور قبلہ ایک، افسوس ہے کہ اگر اتحاد نہیں کر سکتے تو وہی نہیں کر سکتے!

قرآن کریم کا فرقہ بندی سے روکنا

دُنیا کی مذہبی کتابوں میں قرآن شریف ہی ایک کتاب ہے، جس نے فرقہ بندی سے صریح الفاظ میں روکا ہے۔ جیسا کہ آیات مندرجہ عنوان سے ظاہر ہے۔ بلکہ فرقہ بندی کو اس قدر بُرے رنگ میں دکھایا گیا ہے کہ ایک جگہ تو یہ فرمایا کہ دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے اور گروہ گروہ بن جانے والے لوگ مشرک ہیں۔ پس مسلمانوں کو، جو ایک خُدا کے پرستار ہیں اور جن کو فَاَقِمْ وَ جْھَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا(۳۰:۳۰) کا حکم ہے، نہ چاہئے کہ وہ مُشرکوں میں سے ہو جائیں۔ یعنی گروہ گروہ بن کر دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ اور دوسری آیت میں فرمایا کہ ایسے لوگ جو دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے اور گروہ گروہ بن جاتے ہیں، ان سے اے رسولؐ! تیرا کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ اُنہیں تجھ سے کچھ نسبت ہے۔ ظاہر ہے کہ اس آیت میں مسلمانوں ہی کا ذکر بطور پیش گوئی ہے۔ عیسائی اور یہود تو کوئی نسبت رسول اللہ ﷺ سے قائم نہیں کرتے۔ جو انہیں یہ کہنے کی ضرورت ہوتی کہ انہیں آپؐ سے کوئی نسبت نہیں۔ نسبت کی نفی کی ضرورت اسی حالت میں ہے، جب ایک قوم اپنی نسبت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے قائم کر رہی ہو۔ انہیں صاف الفاظ میں بتادیا کہ اگر دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرو گے، تو محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ پس فرقہ بندی بروئے قرآن شریف وہ چیز ہے، جو مُشرکوں میں سے بنا دیتی ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت رہنے نہیں دیتی!

فرقہ بندی اور اختلاف: فرقہ بندی سے کیا مراد ہے؟ قرآن کریم نے اس کے لئے لفظ اختیار فرمائے ہیں۔ دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور گروہ گروہ بن جانا۔ ان الفاظ کا مفہوم تو ظاہر ہے۔ لیکن بعض دلوں میں ایک غلط خیال جاگزیں ہے۔ اسے دور کرنا بھی ضروری ہے۔ اس حکم کا یہ منشاء نہ تھا اور نہ ہو سکتا ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے کسی قسم کا بھی اختلاف نہ کریں۔ ایک اتنی بڑی قوم کے اندر، جو روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہے، اختلاف رائے کا ہونا لازمی تھا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اختلافِ اُمّت کو رحمت فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف میں بھی اُمّت کی ترقی کا راز مضمر ہے۔ کیونکہ اختلاف اظہار رائے سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اظہار رائے سے انسان کے قویٰ عقلی و ذہنی منجھتے اور ترقی کرتے ہیں۔ اسلام میں اتحاد بھی بڑا زبردست موجود ہے۔ اور وہ اتحاد اصول دین پر ہے۔ مگر اس میں اختلاف کے لئے بھی اس قدر وسعت ہے، کہ اس کی کوئی حد نہیں۔ فرقہ بندی اور اختلاف دونوں ایک چیز نہیں۔ یہ فرقہ بندی ایک لعنت ہے۔ اور اختلاف ایک رحمت ہے۔ مسائل پر اختلاف خود صحابہ رضی اللہ عنہم کے اندر موجود تھا۔ حالانکہ ان کے سامنے قرآن شریف نازل ہوا۔ انہوں نے براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل کیا۔ اور آپؐ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ براہ راست ان کے کانوں تک پہنچے۔

فرقہ بندی کیا چیز ہے؟

فرقہ بندی اسلام میں خوارج کے وجود سے پیدا ہوئی۔ جیسا کہ روایات میں صاف طور پر ان کے متعلق آیا ہے۔ شَقُّوْا عَصَا الْمُسْلِمِیْنَ انہوں نے مسلمانوں کی جمعیت کو توڑ دیا۔ کیوں؟ اس لئے نہیں کہ انہیں بعض مسائل میں صحابہؓ سے اختلاف تھا۔ کیونکہ اختلاف تو صحابہؓ میں بھی موجود تھے۔ بلکہ اس لئے کہ انہوں نے ہی مسلمانوں میں تکفیر کی ابتداء کی۔ اس وقت حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی جنگ تھی۔ اور خوارج اصل میں حضرت علیؓ کے طرفدار تھے۔ مگر ان کا مطالبہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو کافر اور خارج از اسلام قرار دیں! حضرت علیؓ نے اس سے انکار کیا۔ اور صاف فرمایا کہ اِخْوَانُنَابَغَوْا عَلَیْنَا لَا نُکَفِّرُ ھُمْ وَلَا نُفَسِّقُھُمْ وہ بھی ہمارے بھائی مسلمان ہیں۔ جنھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔ ہم ان کو کافر اور فاسق قرار نہیں دیتے۔ قرآن کریم کی آیات مذکورہ عنوان پر غور کیا جائے، تو ان سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہاں دو باتوں سے روکا ہے۔ دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور گروہ گروہ بن جانا۔ اور یہ دونوں باتیں تکفیر سے پیدا ہوتی ہیں۔ ہر گروہ، جو دوسرے کی تکفیر کرتا ہے، خواہ وہ بڑا ہو۔ اور اپنے کو سواد اعظم کہہ لے، مگر فی الحقیقت جب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر ایمان لانے والوں کی تکفیر اس نے کی تو ایک واحد جماعت مسلمین کے گروہ گروہ بنا دیئے۔ اور جو حیثیت سب مسلمانوں کے ایک ہونے کی تھی، اسے باقی نہیں رہنے دیا۔ اور دین یوں ٹکڑے ٹکڑے ہوا، کہ اصل دین ان چند مسائل کو سمجھ لیا گیا، جن میں ایک گروہ کا دوسرے سے اختلاف ہے۔ اور اصول دین کی کوئی پروا باقی نہیں رہی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساری بحث ان چند فروعی مسائل پر صرف ہو جاتی ہے

۔اور ان چھوٹے چھوٹے جھگڑوں میں اس قدر انہاک ہوتا ہے، کہ اصل دین برباد بھی ہو رہا ہو، تو اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ پس فرقہ بندی کی بنیاد تکفیر مُسلمین پر ہے۔ اور اس کا ظاہر نشان قوم میں یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ آپس کے چھوٹے چھوٹے جھگڑوں میں پڑ کر قوم کی قوت اور استحکام کا کام کرنے کی اہلیّت جاتی رہتی ہے۔ کیونکہ وہ قوت، جو دین یا قوم کی ترقی پر صرف ہونی چاہئے تھی، ایک دوسرے کی بربادی کی فکر میں صرف ہو جاتی ہے!

قرآن کریم نے جب ایک عظیم الشان اسلامی برادری کی بنیاد رکھی۔ اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (۱۰:۴۹) ارشاد فرمایا، تو اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے اختلافات کو نظر انداز نہیں کیا۔ بلکہ عین اسی موقعہ پر یہ بھی فرمایا اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا (۹:۴۹) اگر مومنوں کے دو گروہوں کا یہاں تک بھی اختلاف ہو کہ وہ ایک دوسرے سے جنگ کرنے لگیں۔ اور باوجود ایک دوسرے سے جنگ کرنے کے، دونوں کو مومن بھی فرمایا۔ یہی وہ سبق ہے، جس کو مسلمانوں نے بھلا دیا۔ مسلمانوں میں دوسرے مذاہب کے ساتھ جس قدر رواداری کی تعلیم ہے اس سے بڑھ کر اپنے اندر رواداری کا حکم تھا۔ کہ ہم ایک دوسرے کے اختلاف رائے کو برداشت کرنا اور اس کے خیالات کی عزت کرنا سکھیں۔ جبکہ ہماری موجودہ حالت یہ ہے کہ جہاں کسی نے اختلاف رائے کیا، فوراً اسے کافر اور بے ایمان قرار دے کر، ہر قسم کا دُکھ پہنچانا اور تکلیف دینا ثواب کا کام سمجھ لیا گیا۔ اسلام کے لئے مصیبت یہ نہیں کہ اس میں ایک دوسرے سے اختلاف رائے رکھنے والے پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ یہ اسلام کی ترقی کے لئے لازمی سامانوں میں سے ایک سامان ہے، بلکہ مصیبت یہ ہے کہ اختلاف رائے کی برداشت مسلمانوں میں نہیں رہی۔ حالانکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کس قدر فراخدلی سے ایک دوسرے سے اختلاف رائے کو برداشت کرتے تھے! اب بالفرض ایک شخص بعض مسائل میں دوسرے سے اختلاف رائے کرتا ہے، اور کچھ لوگ ایک کی رائے کو پسند کرتے ہیں۔ اور کچھ دوسرے کی رائے کو۔ اور یوں یہ دو جماعتیں بن جاتی ہیں۔ تو یہ فرقہ بندی نہیں ہے۔ بلکہ فرقہ بندی اس وقت شروع ہوتی ہے، جب اپنے بھائی کو اختلاف رائے کی وجہ سے کافر بنا دیا جاتا ہے۔ اور اسے گردن زدنی قرار دے کر ہر طرح کا نقصان پہنچانا ثواب سمجھا جاتا ہے۔ فرقہ بندی کا ارتکاب اس سے نہیں ہوتا کہ ایک شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر ایمان رکھتا ہوا، قرآن کریم کو خدا کا کلام یقین کرتا ہوا، مسلمانوں کے بعض خیالات کو یا بعض رسوم و رواج کو خلاف قرآن و حدیث سمجھے اور کہے۔ کیونکہ اس طرح تو مسلمانوں کی اصلاح کا دائرہ ہی ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا، بلکہ فرقہ بندی اس چیز کا نام ہے کہ جہاں کسی نے اختلاف رائے کا اظہار کیا، تو جھٹ اسے کافر اور بے ایمان قرار دے کر ساری ہمّت کو اس کی بربادی پر صرف کر دیا۔ مسلمانوں کے اختلافات اس دن اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ کے مصداق ہو جائیں گے، جس دن ان کے اندر سے تکفیر کی لعنت دور ہو گی۔ اور ان کی ہمت ایک دوسرے کی تباہی پر صرف ہونے کی بجائے، اسلام کو اپنے دشمنوں سے بچانے پر صرف ہو گی۔ جب تک وہ ایک دوسرے کو کافر ٹھہرا کر اپنی بربادی پر تلے ہوئے ہیں، اس وقت تک وہ اسلام کو اپنے دشمنوں سے کبھی نہیں بچا سکتے۔ یہاں تو دن رات فرضی کافروں کو مٹانے کی فکر ہے۔ اور ادھر حقیقی کافر اسلام کو کھائے جاتے ہیں۔ اس بیماری نے یہاں تک ترقی کی ہے۔ کہ جب مسلمانوں میں کہیں ملکی معاملات میں اختلاف ہوتا ہے، اور سیاسی طور پر ایک فریق دوسرے فریق کی رائے سے اختلاف کرتا ہے، تو وہاں بھی سارا زور مسلمانوں کو بدنام کرنے، اور ان کے طرح طرح کے نام رکھنے، اور ان کو ہر قسم کا نقصان پہنچانے میں صرف ہوتا ہے۔ اور اسے خدمت اسلام کا کام سمجھا جاتا ہے۔ ایک شخص جسے کل تک ہم سر پر اُٹھاتے تھے، آج اسے پیروں کے نیچے روند کر خوش ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ اس نے سیاسی طور پر ہمارے ساتھ اختلاف رائے کیوں کیا!

اہلِ حدیث

غرض اسلام کے اندر کسی اصلاح کے لئے کسی شخص یا گروہ کا کھڑا ہونا فرقہ بندی نہیں۔ اور نہ یہ فرقہ بندی ہے کہ کچھ لوگ اس کے ساتھ ہو کر اس اصلاح کے کام میں اس کے معاون ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی زندگی کا مقصد اس بات کو قرار دے لیتے ہیں کہ وہ اس اصلاح کے کام کو تکمیل تک پہنچائیں گے۔ اور نہ یہ فرقہ بندی ہے، کہ وہ جماعت ایک خاص نام سے موسوم ہو جاتی ہے۔ یا خود اپنے لئے کوئی نام تجویز کر لیتی ہے۔ مثال کے طور پر مَیں اہل حدیث کی جماعت کو لیتا ہوں۔ جنہیں عام لوگ وہابی کہتے ہیں۔ ابتدا میں اس جماعت کا مسلمانوں کی اصلاح کے ایک کام کو ہاتھ میں لے کر کھڑا ہونا فرقہ بندی نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اس کے یوں کھڑا ہونے سے اسلام کو نقصان نہیں، بلکہ یقیناً فائدہ پہنچا۔ اور مسلمانوں کے اندر ایک نئی زندگی اس جماعت کے وجود سے پیدا ہوئی۔ کئی قسم کی غلامیوں سے اس جماعت نے مسلمانوں کو پاک کیا۔ البتہ یہ مَیں ضرور کہوں گا کہ اس کے بعد کی حالت پر فرقہ بندی کا نام زیادہ چسپاں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس اصلاحی کام کو چھوڑ کر وہ انہی چھوٹے چھوٹے جھگڑوں میں پڑ گئی۔ اور سارا زور آمین اور رفع یدین کے جھگڑوں پر، اور دوسروں کو مشرک اور بے ایمان بنانے پر صرف ہونے لگا۔ اور اس کی آخری حالت اب یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اہل حدیث کا گروہ آپس کے اندر اسی قسم کے بے معنی جھگڑوں پر اُتر آیا ہے، جن کی پہلے ہی مسلمانوں میں کثرت تھی۔ ایک ادنیٰ اختلاف رائے پر، قرآن شریف کی ایک آیت کی ایک یا دوسری طرح پر تفسیر کرنے پر، ان میں ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگ رہے ہیں۔ اور خدمت اسلام کے کام کی طرف سے توجہ ہٹ کر فروعی مسائل پر ساری توجہ صرف ہونے لگی ہے۔

جماعت احمدیہ

اسی طرح جو لوگ جماعت احمدیہ کو اسلام کے فرقوں میں ایک فرقہ کا اضافہ قرار دیتے ہیں، وہ بھی اسی اصولی غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ بانی جماعت احمدیہ کا اگر کوئی امتیاز عام علماء سے نظر آتا ہے، تو وہ ابتدا سے ایک ہے۔ یعنی یہ کہ شروع ہی سے آپ کی طبیعت کا رجحان فروعی مسائل کے جھگڑوں کی طرف نہیں ہوا۔ حالانکہ اس زمانہ میں، جب آپ نے مذہبی میدان میں قدم رکھا، مسلمان آپس کے اندر نہایت ہی چھوٹے چھوٹے جھگڑوں

پر لڑ مر رہے تھے۔اور علماء کا سوائے اس کے کچھ شغل نہ تھا کہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر ایک دوسرے کی تکفیر کریں۔مگر آپ کا قدم ابتدا ہی سے ان تمام جھگڑوں سے بلند رہا۔اور ایک لمحہ کے لئے بھی آپ نے اس کے اندر داخل ہونا پسند نہیں کیا۔ عین جوانی میں، جو جوش جذبات کا وقت ہوتا ہے، آپ اگر کسی کام میں مصروف نظر آتے ہیں، تو وہ عیسائیت کی تردید ہے۔جو اس وقت مسلمانوں کو کھائے جارہی تھی۔اس کے بعد آریہ سماج کا ظہور ہوا، تو آپ کی توجہ اس طرف بھی ہوئی۔اور آریہ سماج کی پرزور تردید کی۔الغرض ابتدا ہی سے بجائے اس کے کہ آپ مسلمانوں کے اندرونی جھگڑوں میں، جو چھوٹے چھوٹے مسائل پر باہم ہورہے تھے، کوئی حصہ لیتے، آپ کی توجہ خود اسلام کی حفاظت اور اشاعت کی طرف رہی۔ آپ کا دامن فرقہ بندیوں کی نکمی بحثوں سے، جنھوں نے مسلمانوں کو خود نکما کر رکھا تھا، بالکل پاک رہا۔ اور میدان مذہب میں آپ کا قدم اس سطح سے بہت بلند رہا، جس سطح پر اس وقت علماء کام کر رہے تھے۔ آپ کے لئے میدان عمل مسلمانوں کے اندرونی جھگڑے ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں ہوئے۔ بلکہ آپ کا روئے سخن تمام تر غیر مذاہب کی طرف رہا۔

مسیح اور مہدی کے متعلق مسائل

مسائل فروعی میں سے دو امور ایسے تھے، جن کی طرف حضرت مرزا صاحب نے توجہ فرمائی۔ مگر وہ بھی صرف اس لئے کہ ان کا تعلق اسلام کی اشاعت اور اسلام کی حفاظت سے تھا۔دو غلطیاں مسلمانوں میں عام طور پر پھیل چکی تھیں۔جن کا دور کرنا حفاظت و اشاعت اسلام کے لئے ضروری تھا۔یہ دو غلطیاں مسیح اور مہدی کی آمد سے تعلق رکھتی تھیں۔ایک یہ کہ حضرت مسیحؑ جو تھے آسمان پر اس جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں۔ اور کسی وقت پھر زمین پر نازل ہوں گے۔اور دوسرے یہ کہ حضرت مسیحؑ کے نزول کے ساتھ ایک مہدی بھی آئے گا۔جو دین اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلائے گا۔یہ دونوں باتیں اشاعت اسلام کے رستے میں سخت روک تھیں۔اسلام کا مقابلہ سب سے بڑھ اس وقت عیسائیت کے ساتھ تھا۔اور عیسائیوں کے ہاتھ میں یہ ایک زبردست ہتھیار مسلمانوں کے گمراہ کرنے کے لئے تھا کہ مسیحؑ بشر سے بڑھ کر کچھ ہے۔کیونکہ وہ زندہ آسمان پر ہے۔اور کھانے پینے کی احتیاج نہیں رکھتا۔حالانکہ سب بشر حتیٰ کہ رسول بھی بموجب تصریح قرآنی وَ مَا جَعَلۡنٰهُمۡ جَسَدًا لَّا یَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَ مَا كَانُوۡا خٰلِدِیۡنَ۔ (۸:۲۱) کھانے پینے کے محتاج تھے۔اور حضرت مسیحؑ کے جسم میں تغیر نہیں آتا اور وہ اَ لْاٰنَ كَمَاكَانَ کے مصداق ہیں۔ حالانکہ یہ خاصہ صرف ذات باری کا ہے۔چونکہ اس رستے سے اسلام پر حملہ ہوتا تھا، اور خود اشاعت اسلام میں یہ رکاوٹ تھی، اس لئے حضرت مرزا صاحب نے اس غلطی کو دور کرکے اشاعت اسلام کے کام کو صحیح رستے پر ڈالا۔ایسا ہی یہ عام خیال، کہ مہدی آئے گا، تو تلوار سے اسلام پھیلائے گا، اشاعت اسلام کے رستے میں رکاوٹ تھا۔اور اس بناء پر غیر مسلموں کو اسلام سے متنفر کیا جارہا تھا۔اس لئے اس غلطی کو بھی آپ نے دور کیا۔اور ہر دو امور کو خلاف قرآن وحدیث ثابت کرکے اشاعت اسلام کی سڑک کو صاف کیا۔غرض حضرت مرزا صاحب کا کام فرقہ بندی کے خیالات سے پاک اور بہت ارفع تھا۔ آپ کے سامنے اسلام کی حفاظت کا سوال تھا۔اندرونی چھوٹے چھوٹے جھگڑوں پر آپ نے کبھی ایک لمحہ بھی ضائع کرنا پسند نہیں کیا۔آپ کے سامنے رفع یدین اور بلند آمین، اور سینے پر ہاتھ باندھنے پر کشت وخون ہوئے، مقدمات ہوئے، تکفیر ہوئی، مگر آپ کی جماعت میں دونوں قسم کے لوگ شامل تھے۔

اس بات کا افسوس ہے کہ آپ کی جماعت کا ایک حصہ فرقہ بندی کے دھندے میں پڑ گیا۔اور مسلمانوں کی تکفیر کا کام اختیار کرکے اسی سطح پر اتر آیا، جس پر پہلے علماء باہم جھگڑ رہے تھے۔ جس کا نتیجہ، اگر اس غلطی سے رجوع نہ کیا گیا، تو یقیناً یہ ہوگا، کہ اشاعت اسلام کے کام کی توفیق آہستہ آہستہ چھن جائے گی۔ لیکن خُدا کے فضل سے آپ کے صحیح مسلک پر بھی ایک جماعت قائم ہے۔اور اس کا اثر اور اقتدار روز بروز بڑھ رہا ہے۔ اسی جماعت نے اپنی آواز کو مسلمانوں کی تکفیر کے خلاف اُٹھایا۔یہاں تک کہ آج اور بھی کئی ایک جماعتیں اس فرقہ بندی کے نقصان کو محسوس کرنے لگی ہیں۔جو لوگ ہماری اس جماعت کے خلاف فرقہ بندی کا الزام دیتے ہیں، وہ محض غلط فہمی یا حسد سے ایسا کہتے ہیں۔ یہی ایک جماعت ہے، جس نے فرقہ بندی کی بنیاد پر زبردست ہتھیار چلایا ہے۔باقی رہے اختلافات۔تو وہ کسی نقصان کا موجب نہیں ہوسکتے۔اور نہ کسی جماعت کا کوئی نام رکھا جانا فرقہ بندی ہے۔اگر اسلام میں ایک ہزار جماعتیں بھی ایسی ہوں، جن کی اصل غرض ایک یا دوسرے شعبے میں مسلمانوں کی اصلاح یا اسلام کی اشاعت ہو، تو وہ فرقہ بندی نہیں کیونکہ وہ سب اسلام کو قوت پہنچانے والی ہوں گی۔(پیغام صلح ۸ فروری ۱۹۲۸ء) (فہرست مضامین)

(کلامِ علوی)

انتخاب

دِلوں کی فکر نگاہوں کا احتساب کریں۔

غمِ جہاں کے تصوّر سے اجتناب کریں

یہ بارگاہِ اُخوت ہے رزم گاہ نہیں۔

خلوص وصدق ومحبت کا انتخاب کریں

(فہرست مضامین)